نوٹ

26

نواب مرزا شوقؔ

شاعر کا تعارف

نواب مرزا کا اصل نام تصدیق حسین خان اور شوقؔ تخلص تھا۔ مرزا شوق 1780ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت لکھنؤ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا اس وجہ سے مرزا شوق کو بھی شعر کہنے کا ذوق پیدا ہوا۔
مرزا شوقؔ خواجہ حیدر علی آتشؔ کے کے شاگرد تھے۔

مرزا شوقؔ کی سب سے پہلی مثنوی فریبِ عشق ہے، مثنوی، بہارِ عشق، اِس کے بعد لکھی گئی اور آخر عمر میں انہوں نے مثنوی ''زہرِ عشق'' لکھی۔ ان کی آخری مثنوی بہت مشہور ہوئی۔ اس مثنوی میں دنیا کی بے ثباتی اور موت کی حقیقت پر بڑے پُر اثر اشعار ملتے ہیں۔ اس مثنوی کی زبان سادہ اور سلیس ہے اور مرزا شوق کا بیان بڑا آفرین ہے۔

اس مثنوی میں شاعر نے ایسے سماجی قصے نظم کیے ہیں جن کا تعلق پرانی کہانیوں سے نہیں بلکہ ان واقعات سے ہے جو ہماری زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں۔ اس مثنوی میں ایک سوداگر کی لڑکی کی اور ایک لڑکے کے عشق کی کہانی بیان کی گئی ہے مگر مثنوی کے اس حصے میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہے شاید لکھنؤ کی سلطنت کے ختم ہونے کا اثر تھا جس سے متاثر ہو کر یہ اشعار قلم بند کیے گئے ہیں۔
1871ء کو 91 سال کی عمر میں مرزا شوقؔ کا انتقال ہو گیا۔

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد آپ:

- مثنوی کے اشعار کی تشریح و تحسین کر سکیں گے؛

نوٹ

- پوری مثنوی کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر سکیں گے؛
- مشکل الفاظ کے معنی سمجھ کر ان کا استعمال کر سکیں گے؛
- صنعتِ تلمیح اور صنعتِ مراعات النظیر کو سمجھا سکیں گے۔

26.1 اصل سبق

آیئے اب مثنوی کے اس حصے کو پڑھ کر دیکھیں:

جائے عبرت سرائے فانی
موردِ مرگ نوجوانی
اونچے اونچے مکان تھے جن کے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے
آج دیکھا تو خار بالکل تھے

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اس جا ہے آشیانہ بوم
بات کل کی ہے نوجواں تھے جو
صاحبِ نوبت و نشاں تھے جو

آج خود ہیں نہ ہے مکاں باقی
نام کو بھی نہیں نشاں باقی

غیرتِ حور و مہ جبیں نہ رہے
ہے مکاں گر تو وہ مکیں نہ رہے

جو کہ تھے بادشاہ ہفت اقلیم
ہوئے جاجا کے زیر خاک مقیم

جا: جگہ
سرائے: مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ
فانی: فنا ہوجانے والا/ختم ہوجانے والا
مورد: وہ جگہ جہاں سے کوئی گزرے
مرگ: موت
گور: قبر
خار: کانٹا
بوم: اُلو
نوبت: نقارہ
نشان: جھنڈا
صاحب نوبت ونشاں: مراد وشوکت والا
مہ جبیں: مراد خوب صورت
مکین: رہنے والا
ہفتِ اقلیم: سات سلطنتیں کل کائنات، پوری دنیا کا بادشاہ

نوٹ

کوئی لیتا نہیں اب اس کا نام
کون سی گور میں گیا بہرام
اب نہ رستم نہ سام باقی ہے
اک فقط نام ہی نام باقی ہے

کل جو رکھتے تھے اپنے فرق پہ تاج
آج ہیں فاتحہ کو وہ محتاج
تھے جو خود سر جہان میں مشہور
خاک میں مل گیا سب اُن کا غرور

عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے

گردش چرخ سے ہلاک ہوئے
استخواں تک بھی ان کے خاک ہوئے

تھے جو مشہور قیصر و فغفور
باقی اُن کا نہیں نشانِ قبور

تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر
ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر

رشکِ یوسف جو تھے جہاں میں حسیں
کھا گئے اُن کو آسمان و زمیں
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے
یہی دنیا کا کارخانہ ہے

بہرام: ایران کے بادشاہ کا نام
رُستم اور سام: ایران کے دو پہلوان

فرق: سر

خودسر: سرکش / مغرور

مٹی کا عطر: لکھنؤ کی خاص ایجاد ہے، نواب نصیرالدین حیدر نے عطر گل یعنی مٹی کا عطر ایجاد کروایا تھا

چرخ: آسمان
گردشِ چرخ: آسمان کی گردش
استخواں: ہڈیاں
قیصر: روم کا بادشاہ
فغفور: چین کا بادشاہ

کاسہ: پیالہ

منقلب: بدلتا ہوا

ہے نہ شیریں نہ کوہ کن کا پتا
نہ کسی جا ہے نل دمن کا پتا
بوئے اُلفت تمام پھیلی ہے
باقی اب قیس ہے نہ لیلیٰ ہے
صبح کو طائران خوش الحان
پڑھتے ہیں "کل من علیھا فان"
موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

کوہ کن: پہاڑ کاٹنے والا مراد: فرہاد
نل دمن: سنسکرت کہانی ایک کے اہم کردار
لیلی: لیلیٰ
طائر: پرندے
خوش الحان: سریلی آواز
کل من علیہافان: ہر چیز ختم ہو جائے گی، سب کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے
رستگاری: نجات، چھٹکارا

26.2 متن کی تشریح

جائے عبرت سرائے فانی ہے
موردِ مرگ ناگہانی ہے
اونچے اونچے مکان تھے جن کے
آج وہ تن گور میں ہیں پڑے
کل جہاں پر شگوفہ و گل تھے
آج دیکھا تو خار بالکل تھے
جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اس جا ہے آشیانہ بوم
بات کل کی ہے نوجواں تھے جو
صاحب نوبت و نشاں تھے جو
آج خود ہیں نہ ہے مکاں باقی
نام کو بھی نہیں نشاں باقی
غیرتِ حور و مہ جبیں نہ رہے
ہے مکاں گر تو وہ مکیں نہ رہے
جو کہ تھے بادشاہِ ہفت اقلیم
ہوئے جا جا کے زیرِ خاک مُقیم

نوٹ

ان اشعار میں شاعر نے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ یہ دنیا ایک سرائے جیسی ہے جہاں مسافر رات بھر کے لیے ٹھہرتے ہیں اور صبح ہوتے ہی اپنی منزل کی طرف چل پڑتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے لیے اس دنیا کی حیثیت بھی ایک سرائے جیسی ہے۔ جس طرح سرائے میں مسافر ہمیشہ ٹھہرنے کے لیے نہیں آتے بلکہ تھوڑا سا وقت گزار کر آگے چل دیتے ہیں، اسی طرح انسان بھی اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ اسے کچھ وقت گزار کر اپنی زندگی پوری کر کے دنیا کو چھوڑ دینا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ صرف انسانوں کو ہی نہیں بلکہ یہ دنیا بھی اور جو کچھ اس میں ہے، یہ سب ایک نہ ایک دن فنا ہو جانے والا ہے اس لیے ہمیں اس فانی دنیا سے دل نہیں لگانا چاہیے۔

شاعر آگے کہتا ہے کہ ایسے ایسے مشہور لوگ جو عالی شان مکانوں میں رہتے تھے اور جہاں خوب صورت پھول کھلتے تھے۔ آج نہ وہ لوگ باقی ہیں نہ ان کے عالی شان مکانوں کا پتہ ہے۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اگر کچھ مشہور بادشاہوں کے محلوں کے آثار باقی بھی ہیں تو ان میں رہنے والے ختم ہو چکے ہیں۔ ان سب باتوں سے شاعر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اس دنیا میں بادشاہ ہو یا فقیر ہو، مشہور ہو یا گم نام ہو، انجام سب کا ایک ہی ہے یعنی سب کو فنا ہونا ہے اور بڑے بڑے محلوں اور مکانوں کو چھوڑ کر تنگ و تاریک قبروں میں چلا جانا ہے۔

26.3 زبان کے بارے میں

جائے عبرت سرائے فانی ہے
مورد مرگ ناگہانی ہے

ان اشعار میں شاعر نے نصیحت کی ہے کہ ہمیں اس دنیا کی چمک دمک اور اس کی رنگینی دیکھ اس میں گم نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس سے سبق لینا چاہیے کیوں کہ یہ دنیا وہ جگہ ہے جہاں ہر وقت موت کا آنا جانا لگا ہوا ہے۔

آپ نے غور کیا ہوگا کہ شاعر نے مشہور لوگوں، بڑی بڑی عمارتوں، خوب صورت باغوں اور بڑے بڑے بادشاہوں کے ختم ہو جانے کی مثالیں دے کر اپنی بات میں وزن پیدا کیا ہے۔ اس حصے میں شاعر نے تقریباً ہر شعر میں صنعتِ تضاد کا خوب صورت استعمال کیا ہے مثلاً اونچے اونچے مکان، تنگ گور، شگوفہ و گل اور خار، بلبل اور بوم وغیرہ۔

جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم
آج اس جا ہے آشیانہ بوم

ایک محاورہ ہے، اُلو بولنا۔ اس کے معنی ہیں کسی جگہ کا اُجاڑ اور ویران ہو جانا۔ شاعر نے اس محاورہ کو آشیانہ بوم کہہ کر استعمال کیا ہے۔

متن پر سوالات 26.1

درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے۔

1. یہ دنیا کیسی جگہ ہے؟
   (i) ہمارے لیے سبق سیکھنے کی جگہ
   (ii) اُجاڑ اور ویران جگہ
   (iii) ہمیشہ رہنے کی جگہ

2. شاعر نے کون سے شعر میں نصیحت کی ہے؟
   (i) جس چمن میں تھا بلبلوں کا ہجوم — آج اس جا ہے آشیانہ بوم
   (ii) جو کہ تھے بادشاہ ہفت اقلیم — ہوئے جاجا کے زیرِ خاک مقیم
   (iii) جائے عبرت سرائے فانی ہے — موردِ مرگِ ناگہانی ہے
   (iv) اونچے اونچے مکان تھے جن کے — آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے

26.4 متن کی تشریح

کوئی لیتا نہیں اب ان کا نام
کون سے گور میں گیا بہرام
اب نہ رستم نہ سام باقی ہے
اک فقط نام ہی نام باقی ہے
کل جو رکھتے تھے اپنے فرق پہ تاج
آج ہیں فاتحہ کو وہ محتاج
تھے جو خود سر جہاں میں مشہور
خاک میں مل گیا سب ان کا غرور
عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے
استخواں تک بھی ان کے خاک ہوئے

نوٹ

تھے جو مشہور قیصر و فغفور
باقی ان کا نہیں نشانِ قبور
تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر
ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر
رشکِ یوسف جو تھے جہاں میں حسیں
کھا گئے ان کو آسماں و زمیں
ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے
یہی دنیا کا کارخانہ ہے

ان اشعار میں دنیا کے چند مشہور لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو یا تو دنیا کے مشہور پہلوان تھے یا دنیا کے مشہور بادشاہ تھے۔ اور دنیا میں ان کے نام کا ڈنکا بجتا تھا لیکن موت کے ہاتھوں سے کوئی نہ بچ سکا مثلاً ایران کے مشہور بادشاہ بہرام اور وہاں کے دو مشہور پہلوانوں رستم اور سام تو مٹی میں مل گئے، لوگ آج صرف ان کا نام جانتے ہیں۔ اسی طرح چین اور روم کے بادشاہ بھی اپنے زمانے کے بڑی بڑی فوجیں رکھنے والے اور مضبوط قلعوں میں رہنے والے بڑے طاقت ور بادشاہ تھے مگر آج لوگوں کو ان مشہور لوگوں کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم ہے۔ کہ ان کی قبریں کہاں ہیں ان کے علاوہ بڑے بڑے مغرور اور سرکش بادشاہ بھی ہوئے ہیں مگر موت کے ہاتھوں سب کا غرور خاک میں مل گیا۔ ایسے نفاست پسند لوگ بھی اس دنیا میں تھے جو مٹی کا عطر اس وجہ سے نہیں لگاتے تھے کہ اس میں سے مٹی کی خوشبو آتی ہے مگر آہ، آج ان کی ہڈیاں تک اسی مٹی میں مل گئی ہیں۔ اور ایسے ایسے نوجوان اور خوب صورت لوگ جن کا حسن حضرت یوسف کے لیے باعث رشک تھا، آج ان کا نام ونشاں بھی باقی نہیں ہے۔

شاعر ان لوگوں کی مثالیں دے کر ہمیں ایک بار پھر عبرت دلا رہا ہے اور ڈرا رہا ہے کہ اس دنیا کا تو یہی طریقہ ہے کہ جو کل زندہ تھے وہ آج نہیں ہیں اور جو آج زندہ ہیں وہ کل ختم ہو جائیں گے تو پھر اس دنیا سے دل لگانے کا کیا فائدہ ہے؟

26.5 زبان کے بارے میں

جب کلام میں کسی مشہور واقعے یا مشہور شخصیت کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسے صنعت تلمیح کہتے ہیں۔ دیکھیے مثنوی کے اس حصے میں شاعر نے کون کون سی مشہور شخصیتوں کا ذکر کیا ہے۔

بہرام، رستم، سام، قیصر، فغفور، حضرت یوسف، یہ سب تاریخ کی مشہور شخصیتیں ہیں۔

خاک میں ملنا اور خاک ہو جانا دونوں محاورے ہیں، جس کے معنی ہیں ختم ہو جانا۔ فنا ہو جانا اس میں ایک شعر یہ ہے

تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر
ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر

اسی خیال کو میر تقی میرؔ نے اس طرح بیان کیا ہے

کل پانو ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا　　یکسر وہ استخواں شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر　　میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا

متن پر سوالات 26.2

درست جواب پر صحیح (✓) کا نشان لگائیے:

1. کلام میں جب کسی مشہور واقعے یا مشہور شخصیت کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُسے کیا کہتے ہیں۔
   (i) تشبیہ
   (ii) تلمیح
   (iii) تضاد

2. کاسۂ سر سے کیا مراد ہے؟
   (i) ٹوپی
   (ii) پیالہ
   (iii) کھوپڑی

26.6 متن کی تشریح

ہے نہ شیریں نہ کوہ کن کا پتا
نہ کسی جاہے نل دمن کا پتا
بوئے الفت تمام پھیلی ہے
باقی اب قیس ہے نہ لیلیٰ ہے
صبح کو طائران خوش الحان
پڑھتے ہیں کل من علیہا فان
موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے

نوٹ

ان اشعار میں بھی کئی تلمیحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں شعر نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے عشق کی کہانیاں آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں مثلاً شیریں فرہاد، نل اور دمینتی اور لیلیٰ مجنوں وغیرہ۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ سب موت کے ظالم ہاتھوں سے نہ بچ سکے مگر ان کی محبت کی خوشبو زمانے بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ یعنی ان کی محبت کی داستانیں آج بھی کہی اور سنی جاتی ہیں۔ آخر میں شاعر کہتا ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز آنی جانی ہے اور موت سے کوئی کسی طرح نہیں بچ سکتا۔ یہاں تک کہ صبح کے وقت پرندے بھی اپنی سریلی آواز میں یہی نغمہ سناتے ہیں کہ ایک دن سب کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے سب کو فنا ہونا ہے۔ جو اس دنیا میں آیا ہے، اسے جانا ہے۔ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ آج کوئی دوسرا آدمی ہماری آنکھوں کے سامنے اس دنیا سے جا رہا ہے، کل ہم بھی کسی کے سامنے اس دنیا سے چلے جائیں گے۔

26.7 زبان کے بارے میں

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ مثنوی کے اس ٹکڑے کو پڑھنے کے بعد آپ کچھ سوچنے لگتے ہیں۔ شاعر کا پیغام آپ کے دل کو چھو لیتا ہے آپ کو ان اشعار میں سچائی نظر آتی ہے۔ شاعری کی زبان میں اسے اثر آفرینی کہتے ہیں۔ آپ نے پڑھا کہ شاعر نے لیلاؔ کو لیلیٰ لکھا ہے۔ شاعر نے یہ اس لیے کیا ہے کہ اسے شعر کے قافیے 'پھیلی' کے وزن کا کوئی لفظ لانا تھا اس لیے لیلاؔ کو لیلیٰ کر دیا۔ اسے 'ضرورت شعری' کہتے ہیں۔ یعنی ضرورت پڑنے پر شاعر کسی لفظ کو گھٹا، بڑھا سکتا ہے۔

متن پر سوالات 26.3

درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

1. کوہ کن کے معنی ہیں۔
   - (i) مزدور
   - (ii) فرہاد
   - (iii) پتھر کاٹنے والا
2. کون سا مصرع ضرب المثل بن گیا ہے؟
   - (i) بوئے الفت تمام پھیلی ہے
   - (ii) پڑھتے ہیں کل من علیہا فان
   - (iii) موت سے کس کا رستگاری ہے
   - (iv) ہے نہ شیریں نہ کوہ کن کا پتا

آپ نے کیا سیکھا؟

.1 مرزا شوق کی یہ مثنوی لکھنؤ کی مختصر مثنویوں میں سب سے اچھی تصور کی جاتی ہے۔

.2 اس مثنوی میں بڑے پُر اثر انداز میں زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کیا گیا ہے۔

.3 کلام میں کسی مشہور واقعے یا مشہور شخصیت کا ذکر کرنا صنعت تلمیح کہلاتا ہے۔

.4 مرزا شوق کی زبان سادہ اور رواں ہے۔ انداز بیان اثر انگیز ہے۔

.5 اس مثنوی کے اکثر مصرعے ضرب المثل بن گئے ہیں۔

اختتامی سوالات 26.11

.1 شاعر نے مثنوی کے اس حصے میں کس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے؟

.2 تلمیح کسے کہتے ہیں۔ تعریف بیان کیجئے اور مثال بھی دیجئے۔

.3 شاعر نے جن اشعار میں تلمیحات کا استعمال کیا ہے انہیں چن کر اپنی کاپی میں لکھئے۔

.4 مثنوی کے مفہوم کو اپنی کاپی میں لکھئے۔

.5 جائے عبرت سرائے فانی ہے   مورد مرگ ناگہانی ہے

متن پر سوالات کے جوابات

26.1 .1 (i) .2 (ii)

26.2 .1 (ii) .2 (ii)

26.3 .1 (iii) .2 (iii)